مال کی عرفی وشرعی حقیقت اور فقہی تقسیمات کا تحقیقی جائزہ: ائمہ اربعہ کی آراء کی روشنی میں

The Legal and Customary Conceptions of *“Mal”* (Wealth) in Islamic Jurisprudence: An Analytical Study in Light of the opinions of the Four Imams

Altafur Rehman
Research Scholar, Department of Usooluddin, University of Karachi
Email: altafakhon1@gmail.com

Hussain Ahmad
Research scholar, Department of Quraan o Sunnah, University of Karachi
Email: hussainsaif3030@gmail.com

ISSN (P):2708-6577
ISSN (E):2709-6157

Abstract
The reality of wealth, has the Sharia and the dictionary determined? Or it is related to the name of each era. There may be many things that were not a source of wealth in any era, nor did they have any need or importance, but in later times the same thing has definitely become a source of wealth, for example. Sand and soil, which was not considered wealth in the Salaf, but today it is a source of wealth and also a human need. The jurists did not consider soil as wealth, but today it is a valuable resource.
As a result of this, the practice is increasing rapidly that the land owners either build multi-storied flats and sell them in such a way that the value of each floor and the extent to which the houses dominate the space are sold by different people with all the rights. Goes or the right to build a lower floor is sold to one person with the right to build a house above it to another person and to a third person above it. Before this, there was no concept of buying and selling it, but today, due to the diversity of resources and means, they have become worthy of saving. Due to the common use of them, they have become desirable. Therefore, today they should definitely be considered as wealth, the sale and purchase of which cannot be considered illegal. Questions are emerging in this era. And since in the Qur'an and Hadith, the reality of wealth and its definition are not there It has not been specifically used for any meaning that is separate from its literal meaning and meaning, rather, the meaning and meaning in which wealth was used in the time of the revelation of the Qur'an, has been used in the same meaning in the Book and Sunnah. Therefore, in the article under review, the jurists' views on the nickname and Shariah reality, types and definitions of wealth have been mentioned in detail.

Key words: *Mal, Wealth, Custom, Jurisprudence, Four Imam*

مال کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

"مال" کی لغوی حقیقیت پر غور کرنے سے مختلف مذاہبِ فقہیہ سے تعلق رکھنے والے فقہاء کرام کی عبارتوں سے اس کی حقیقت منکشف ہوتی ہے، چنانچہ صاحبِ بحر علاّمہ ابنِ نجیم مصری رحمہ اللہ نے مال کی لغوی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "والمال فی اللغة ما ملكته من شئی"[1] ترجمہ: مال لغت میں وہ شئ ہے کہ جس کا تو مالک بنے۔

لسان العرب میں ہے ''المال فی الاصل ما یملک من الذھب والفضة ثم أطلق علیٰ کل ما یقتنی ویملک من الأعیان واکثر ما یطلق المال عند العرب علی الإبل لأنھا کانت أکثر أموالھم''[2] ترجمہ: مال اصل میں سونا اور چاندی ہے کہ جس کا انسان مالک بنے پھر اس کا اطلاق ہر اس شئ پر ہونے لگا، جسے انسان محفوظ کرتا ہے اور جس کا انسان مادی اشیاء میں سے مالک بنتا ہے، اہلِ عرب کے نزدیک مال کا اطلاق زیادہ تر اونٹوں پر ہوتا ہے، اس لئے کہ ان کے اموال کا زیادہ تر حصہ اونٹوں ہی کی شکل میں ہوتا ہے۔

مال، مول اور بعض کے نزدیک میَل سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ بصلة''الیٰ'' کسی کی طرف بڑھنا اور جھکنا اور بصلة''عن'' کسی کو چھوڑنا اور اس کے ہٹنے کے ہیں۔ لیکن شریعت کی اصطلاح میں مال وہ چیز ہے کہ جس کا قابلِ احساس وجود خارجی دنیا میں پایا جائے۔ ''المال والبنون زینة الحیوٰة الدنیا'' اور ذخیرہ کئے جانے کے قابل ہو''الذی جمع مالاً وعدّدہ'' اور ضرورت کے وقت استعمال اور استفادہ کے قابل ہو''ما أغنیٰ عنہ مالہ وما کسب''[3]

علاّمہ یوسف قرضاوی رحمہ اللہ '' مال'' کی لغوی حقیقت پر محققانہ بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:''مال اہلِ عرب کے نزدیک کہ جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا، اس چیز کو شامل ہے جس کے جمع کرنے اور مالک بننے کی طرف انسان کی رغبت ہو۔ لہٰذا اونٹ مال ہے بکری مال ہے، جائداد مال ہے، سونا اور چاندی مال ہے اور اسی بنیاد پر معاجمِ عربیہ قاموس اور لسان العرب میں کہا گیا ہے کہ: مال ہر وہ شئ ہے جس کا تو مالک بنے۔[4]

علاّمہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''لأن الملک ما من شانہ أن یتصرف فیہ بوصف الاختصاص والمال ما من شانہ أن یدخر للانتفاع وقت الحاجة''۔[5] یعنی مال کی حقیقت یہ ہے کہ علی وجہ الاختصاص اس کے اندر تصرف کیا جاسکے، اور مال وہ ہے کہ جس کو بوقتِ ضرورت انتفاع کے لئے ذخیرہ کیا جاسکے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''والمعروف من کلام العرب أن کل ما تمول و تملک ھو مال لقولہ علیہ السلام :یقول ابن آدم مالی مالی وإنما لہ ما أکل فأفنی أو لبس فأبلیٰ أو تصدق فأمضیٰ''[6] ترجمہ: کلام عرب میں معروف یہ ہے کہ وہ چیز جو ذریعہ تمول وملکیت ہو مال ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا! ابنِ آدم کہتا ہے میرا مال، میرا مال حالانکہ اس کے لئے صرف وہ حصہ ہے جو اس نے کھا کر ختم کیا اور پہن کر بوسیدہ کردیا یا جسے اس نے راہ خدا میں صدقہ کردیا۔

مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ اہلِ لغت مال کا اطلاق اعیان ومنافع دونوں پر کرتے ہیں یعنی لغت میں مادی اشیاء مثلاً سونا، چاندی، جانور اور منافع اشیاء مثلاً رکوب، سکنیٰ سب کو''مال'' کہا جاتا ہے۔ اور مال کی حقیقت میں عین ہونا داخل ہے پس جو چیز عین نہ ہو گی اس کو مال نہیں کہا جاسکتا ہے۔

مال کی وجہ تسمیہ

علاّمہ راغب اصفہانی رحمہ اللہ مفردات القرآن میں مال کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے لکھا ہے:''مال کو مال اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ ایک شخص کے پاس سے دوسرے شخص کی طرف مائل اور منتقل ہوتا رہتا ہے اور ایک کی ملکیت سے دوسرے کی ملکیت میں جاتا رہتا ہے۔ مال اور ملک کے درمیاں فرق حاشیۃ الطحاوی کی عبارت سے واضح ہوتا ہے عبارت یوں ہے کہ ''والتحقیق أن المنفعة ملک لا مال لأن الملک ما من شأنہ أن یتصرف فیہ بوصف الاختصاص والمال ما من شانہ أن یدخر للانتفاع لوقت الحاجة''۔''[7] ترجمہ:

اور تحقیق یہ ہے کہ منفعت ملک ہے مال نہیں۔ اس لئے ملک کی شان یہ ہے کہ اس میں اختصاص کے ساتھ تصرف کیا جائے اور مال کی شان یہ ہے کہ اسے حاجت کے وقت انتفاع کے لئے ذخیرہ کیا جاسکے یعنی جب کوئی آدمی کسی شئ کو خرید تا ہے۔ یعنی جب کوئی کسی شئ کو خرید تا ہے تو اس شئ کی ذات سے نفع اٹھانا اور اس میں تصرف کرنے کا حق اس مالک کے ساتھ مختص ہوتا ہے مگر اس شئ کے نفع کو ذخیرہ کرنا نہیں ہوتا ہے مگر اس کے برخلاف مال کو ضرورت وحاجت کے وقت انتفاع کے لئے ذخیرہ کرنا ممکن ہوتا ہے اور جب منافع مال نہیں ہوئے تو ان کی بیع بھی جائز نہیں ہوگی کیونکہ مال مبادلۃ المال بالمال کا نام ہے۔

علاّمہ یوسف قرضاوی رحمہ اللہ بیع منافع میں حنفیہ کا مسلک ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:''ویرتب علیٰ ذلك أن منافع الأعیان کسکنی المنازل و رکوب السیارات ولبس الثیاب لا تعد مالا''(8)

ترجمہ: اور اس تعریف پر منافع اعیان کا حکم مرتب ہوتا ہے جیسے مکانات میں رہائش، گاڑیوں پر سوار ہونا، کپڑے پہننا مال شمار نہیں کیا جاتا ہے اور جب منافع اعیان مال نہیں ہیں تو ان کی بیع کے جواز کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

قرآنِ کریم اور حدیثِ مبارکہ میں مال کا لفظ

قرآن کریم میں مال کا لفظ تقریباً چھیاسی (۸٦) مرتبہ آیا ہے، ایک جگہ حق تعالیٰ نے مال کو آرائش وزیبائش فرمایا۔ ارشادِ خداوندی ہے: اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا۔(9) مال اور اولاد (توصرف) دنیاوی زندگی کی زینت ہیں۔

''وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیَامًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا''(10)

ترجمہ: اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔ ہاں انہیں اس میں سے کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کیا کرو۔

سورۃ الفجر میں فرمایا وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا۔(11) ترجمہ: تم مال سے خوب محبت کرتے ہو۔ سورہ آل عمران میں فرمایا: 'لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ''(12) ترجمہ: تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''کل المسلم حرام عرضه وماله ودمه''۔ ترجمہ: ہر مسلمان کی عزت مال اور جان دوسرے مسلمان پر محترم اور حرام ہے۔(13)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''کان أبو طلحة أکثر أنصاری بالمدینة مالا وکان أحب أمواله بیرحی وکانت مستقبلة المسجد وکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یدخلها ویشرب من ماء فیها طیب قال أنس فلما نزلت هذه الآیة لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون وان احب اموالی الی بیرحی وانها صدقة لله ارجو برها وذخرها عند الله فضعها یا رسول الله حیث شئت قال رسول الله صلی الله علیه و سلم بخ ذالك مال رابح قد سمعت ما قلت وإنی أری أن تجعلها فی الأ قربین فقسمها أبو طلحة فی أقاربه وبنی عمه''(14) ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے انصاری صحابہ میں سب سے زیادہ مالدار شخص تھے ان کا اسب سے پسندیدہ مال بیرحی کی زمین تھی۔ زمین کا یہ ٹکڑا مسجد کے سامنے تھا اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے اور وہاں پانی پیتے تھے جس میں خوشبو تھی، جب یہ آیت نازل ہوئی ''لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون'' تو حضرت ابو طلحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''حتی

تنفقوا مما تحبون'' اور میرا محبوب مال بیرحی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے صدقہ ہے میں اس کی نیکی اور اس کے اللہ کے یہاں ذخیرہ ہونے کی امید کرتا ہوں۔ اسے یارسول اللہ جہاں آپ چاہیں صرف کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت خوب یہ بڑا منافع بخش مال ہے، تم نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا وہ میں نے سن لیا اور میری رائے یہ ہے کہ تم اسے رشتہ داروں کے لئے وقف کر دو۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے اسے رشتہ داروں اور اپنے چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

مال کی اقسام

مال کے قابلِ قیمت ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے دو قسمیں کی گئی ہیں۔

(۱) مال متقوم (۲) مال غیر متقوم،

علاّمہ طحطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''المالية تثبت بتمول الناس كافة أو بتقوم البعض والتقوم يثبت بهما وبإباحة الانتفاع به شرعاً فما يكون الانتفاع بدون تمول لا يكون مالا كحبة حنطة وما يكون مالا بين الناس ولا يكون مباح الانتفاع لا يكون متقوما كالخمر وإذا عدم الأمر إن لم يثبت واحد منهما كالعدم''-(15) ترجمہ: کسی شئ کی مالیت اس سے ثابت ہوتی ہے کہ تمام لوگ اس سے تمول حاصل کرتے ہوں یا بعض لوگ اسے قیمتی قرار دیتے ہوں، نیز یہ کہ اس شئے سے فائدہ اٹھانا ازروئے قانون روا ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شئ ایسی ہو کہ جس سے فائدہ اٹھانا تو مباح ہو لیکن اس سے تمول حاصل نہ ہوتا ہو تو مال نہیں ہوتا جیسے دانہ گندم اور جو چیز لوگوں کے درمیاں مال سمجھی جاتی ہو لیکن اس سے انتفاع جائز نہ ہو وہ بھی مال نہیں ہے اور اگر یہ دونوں امور نہ ہو تو دونوں باتیں ثابت نہیں ہوں گی جیسے خون۔

چنانچہ المجلہ میں ہے: '' المال المتقوم يستعمل فی معنيين الأول بمعنىٰ ما يباح الانتفاع به والثانی بمعنى المال المحرز فالسمک فی البحر غير متقوم وإذا اصطيد متقوماً بالأحراز '(16) ترجمہ: مال متقوم کے دو مفہوم ہیں ایک یہ کہ اس سے انتفاع روا ہو دوسرے قبضے میں لئے ہوئے مال کے معنیٰ ہیں۔ یعنی سمندر میں موجود مچھلی غیر متقوم ہے اور جب شکار کر کے قبضے میں لے جائے تو متقوم ہو جائے گی۔

ڈاکٹر یوسف موسیٰ کہتے ہیں: ''مال متقوم وہ ہے جو بالفعل قبضہ میں ہو اور حالتِ اختیار کے ساتھ اس سے انتفاع جائز ہو۔ مثلاً منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء اور غذائی اشیاء سوائے ان اشیاء کے جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہو۔ غیر متقوم وہ ہے جو یا تو عملاً قبضے میں نہ ہو یا ماسوا حالت اضطرار کے اس سے انتفاع جائز نہ ہو جیسے پانی میں موجود مچھلی یا مسلمان کے لئے شراب و خنزیر، کہ یہ دونوں اشیاء مسلمانوں کے حق میں مال نہیں ہیں مگر غیر مسلموں کے حق میں مال ہیں''(17) ''وذكر عن شريح رحمه الله أن مسلماً كسر دناً من خمر لرجل من أهل الذمة قضمنه شريح قيمة الخمر وبه نأخذ فإن الخمر مال متقوم عندنا فی حقهم لتمام احرازها منهم بحماية الإمام فإنهم يعتقدون فيها المالية وإنما يكون المال متقوماً بالإحراز والإمام مامور بأن يكف عنهم الأيدی المعترضة لهم فی ذلك لمكان عقد الذمة فيهم إحرازها منهم بذالک''(18) بیان کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان شخص نے کسی ذمی کا شراب کا برتن توڑ دیا۔ حضرت شریح رحمہ اللہ نے اس مسلمان کو شراب کی قیمت کا ضامن قرار دیا، یہی ہمارا مسلک ہے۔ اس لئے ذمیوں کے حق کی حد تک خمر (شراب) ہمارے نزدیک مال متقوم ہے۔ کیونکہ قانونی تحفظ کے ساتھ اس پر ان کا قبضہ مکمل ہو گیا ہے اس لئے کہ غیر مسلموں کے

یہاں شراب میں مالیت موجود ہے، مال قبضہ میں آنے سے متقوم (قیمت کا حامل) ہو جاتا ہے اور چونکہ عقد ذمہ ہونے کی بناء پر حکومت اس امر کی پابند ہے کہ کسی کو ان سے تعرض نہ کرنے دے۔ اس سے ان کا شراب قبضہ میں رکھنے کا قانونی عمل مکمل ہو گیا ہے۔

مال کی دوسری قسم مثلی اور قیمی

مال مثلی وہ اشیاء کہلاتی ہے کہ جن کی مماثل اشیاء بغیر کسی فرق کے بازار میں موجود ہوں یا اگر فرق ہو تو اس قدر معمولی ہو جو بالعموم خرید و فروخت میں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس میں ناپ تول اور شمار کی اشیاء داخل ہیں۔ قیمی مال اسے کہا جاتا ہے جن کی مماثل بازار میں موجود نہ ہو یا اگر موجود ہوں تو ایسے بڑے فرق کے ساتھ ہوں جس کا معاملات تجارت میں حساب رکھا جاتا ہو۔ مثلاً زرعی اور سکنائی زمین اور مویشی قیمی مال ہیں۔ قدری پاشانے مرشد الحیران میں مثلی کی تعریف یہ کی ہے: ''ما يوجد له مثل في المتجر بدون تفاوت يعتد به ومنه العدديات التي لا يكون بين افرادها تفاوت في القيمة''[19] جس کی مثل بازارِ تجارت میں موجود ہو اور کوئی قابلِ شمار نہ ہو مثلاً شمار سے قدری فروخت ہونے والی ایسی اشیاء کہ جن میں آپس میں قیمت کا فرق نہ ہو۔

قدری پاشانے قیمی کی تعریف اس طرح کی ہے: ''مالا يوجد له مثل في المتجر أو يوجد لكن بتفاوت في القيمة ومنه المعدودات المتفاوتة التي بين أفرادها تفاوت في القيمة ''[20] جس کی مثل بازارِ تجارت میں موجود نہ ہو یا موجود ہو لیکن قیمت میں فرق ہو مثلاً شمار سے فروخت کی جای والی وہ اشیاء کہ جن میں باہم قیمت میں فرق موجود ہو"

المجلہ نے مثلی کی تعریف یہ کی ہے: ''المثلي ما يوجد مثله في السوق بدون تفاوت يعتد به''[21] مثلی وہ ہے جس کا بازار میں بغیر کسی قابل شمار تفاوت ملتا ہو۔ ''القيمي مالا يوجد له مثل في السوق أو يوجد لكن مع التفاوت المعتد به في القيمة''[22] قیمی وہ شئے ہے کہ جس کی بازار میں مثل میسر نہ ہو یا ملتی ہے لیکن قیمت میں قابلِ ذکر تفاوت ہے۔

اموالِ مثلی چار قسم کے ہیں:

(۱) مکیلات:	وہ اشیاء جو ناپ کر فروخت کی جاتی ہیں جیسے گندم اور جو وغیرہ
(۲) موزونات:	وہ اشیاء جو وزن سے فروخت کی جاتی ہیں جیسے روئی اور لوہا وغیرہ
(۳) عددیات:	وہ اشیاء جو وزن سے فروخت کی جاتی ہیں جیسے انڈے وغیرہ
(۴) زرعیات:	وہ اشیاء جو پیمائش کے ذریعہ فروخت کی جاتی ہیں جیسے کپڑا وغیرہ۔[23]

اموالِ قیمی میں ربا نہیں ہو تا یعنی مال کی کم مقدار کے بدلے فروخت کیا جائے تو ربا نہیں ہے جبکہ مثلی اموال میں ربا حرام ہے مثلی اموال میں ہر دو عوض کا کمیت اور مقدار میں برابر ہو نا ضروری ہے۔ چنانچہ ایک کلو گندم کا سوا کلو گندم سے تبادلہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ بیع "ربا الفضل" پر مشتمل ہو گی۔[24]

ماکی تیسری قسم عقار اور منقولی

فقہ اسلامی میں مال کی ایک تقسیم عقار اور منقول کی ہے۔ عقار (غیر منقولہ جائیداد) وہ ہے جس کی تحویل اور نقل نہ ہو سکے۔ منقول وہ ہے جس کی نقل اور تحویل ہو سکے خواہ اس کی شکل و صورت تبدیل ہو کر نقل و تحویل کی جاسکے جیسا کہ زمین پر بنی ہوئی کوئی عمارت یا مکان، اسی لئے فقہاء نے کہا ہے: إن العقار لا يشمل إلا الأرضين'' عقار صرف زمین ہے''[25]

امام مالک کی رائے ہ ہے کہ زمین میں لگے ہوئے درخت اور زمین پر بنی ہوئی عمارت یا مکان بھی عقار میں داخل ہیں۔ ان کے نزدیک منقولہ اشیاء وہ ہوں گی جن کو ان کی اصل صورت میں منتقل کیا جا سکے جبکہ کسی بنے ہوئے مکان کو منتقل کرنے کی صورت یہی ہے کہ اسے توڑ کر اس کا ملبہ منتقل کیا جائے اور درخت بھی منتقل ہونے ہونے کی صورت میں لکڑیاں اور شہتیر بن جائیں گے درخت باقی نہیں رہیں گے امام مالک رحمہ اللہ کی یہ رائے قانونی مدنی کے مطابق ہے۔[26]

مال کی تعریف میں فقہاء کرام کی آراء

شوافع کے نزدیک مال کے لئے مادی شئی کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ فقہ شافعی کی مشہور کتاب تحفۃ المحتاج میں ہے: ''البیع عقد معاوضة مالیة تفید ملک عین أو منفعة علی التابید''[27] بیع مالی عقدِ معاوضہ ہے جو ملک عین یا دائمی ملکیت کا فائدہ دے۔

بعض شوافع اہلِ لغت نے مال کے لئے عین کی شرط رکھی ہے چنانچہ ابنِ اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''أطلق علی کل ما یقتنیٰ من الأعیان''[28] ہر اس عین پر مال کا اطلاق ہو گا جو جمع کی جائے۔

تاسیس النظر میں ہے: ''الأصل عند الإمام القرشی أبی عبد الله محمد بن ادریس الشافعی أن المنافع بمنزلة الأعیان القائمة وعندنا بمنزلة الأعیان فی حق جواز العقد علیها لا غیر''[29] امام شافعی کے نزدیک اصل یہ ہے کہ منافع اعیان کے درجہ میں ہیں اور ہمارے نزدیک صرف اجارہ درست ہونے میں اعیان کے حکم میں ہیں، دوسرے احکام میں نہیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے نزدیک اصل عرف ہے، عرف میں جو چیز قابلِ قیمت شمار ہوتی ہو وہ مال کہلائے گا۔ وہ فرماتے ہیں: ''لا یقع مال إلاعلیٰ ماله قیمة یباع بها و تلزم متلفه وإن قلت ومالا یطرحه الناس مثل الفلس وما اشبه ذلك''[30] مال کا اطلاق ایسی چیز پر ہو گا جو قیمت والی ہو اس کو بیچا جائے، تلف کرنے پر اس کا لازم ہو گو وہ کم ہو اور جسے لوگ چھوڑ نہ دیتے ہوں جیسے پیسہ وغیرہ۔

حنابلہ کی رائے:

حنابلہ کے نزدیک بھی مال کے لئے اعیان میں سے ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ اقناع میں مباح منفعت کو دائمی طور پر فروخت کر دینے کو بھی بیع قرار دیا گیا ہے: أو منفعة مباحة کممر الدار بمثل أحدهما علی التابید''۔[31] ابنِ قدامہ رحمہ اللہ کی رائے: فرماتے ہیں: ''إن المال ما فیه مباحة لغیر حاجة أو ضرورة کعقار وجمل و دور القز ودیدان الصید کالحشرات وما فیه نفع محرم کالخمر و مالا یباح الا لضرورة کا لمیتة وما لا یباح اقتنائه إلا لحاجة فلیس مالاً''۔[32] مال وہ ہے کہ جس میں ایسی منفعت ہو جو بغیر حاجت و ضرورت کے بھی مباح ہو جیسے زمین، اونٹ، ریشمی کیڑے اور شکار کے چارے جیسے کیڑے وغیرہ اور جن چیزوں میں ایسا نفع ہو کہ وہ حرام ہو جیسے شراب یا ضرور تاً ہی وہ مباح ہوتے ہوں جیسے مردار یا بر بناء حاجت مباح ہوتے ہوں تو وہ مال نہیں ہے۔

مالکیہ کی رائے:

مالکیہ کے نزدیک مال ہونے ہونے کے لئے عین کا وجود ضروری نہیں، چنانچہ مشہور مالکی فقیہ ابن قاسم منافع کے مہر بنانے کو جائز قرار دیتے ہیں، دوسرے فقہائے مالکیہ کے نزدیک منافع کو مہر بنانا مکروہ ہے لیکن ایسا مہر مقرر کر لیا جائے تو مہر کی تعین درست ہو جائے گی اور عورت اس کی حقدار ہو گی۔ جیسا کہ لکھتے ہیں: ''إن المنافع من تعلیم القرآن و نحوه أو سکنیٰ الدار أو خدمة ففیها خلاف قال مالك انها لا تصله مهراً ابتداً أن یسمها مهراً وقال ابن القاسم بها تصلح مهراً نو الکراهة و بعض أئمة المالکیة یجیزها بلا کراهة ولکن

إذا سمیٰ شخص منفعة من هذه المنافع مهراً فإن العقد یمح علی المعتمد و یثبت للمرأة المنفعة التی سمیت لها و هذا هو المشهور''-(33)

صاحبِ شرح صغیر نے بھی یہی لکھاہے:"کل ما یملك شرعاً ولو قل''(34) جس کامالک ہوا جاسکے وہ مال ہے۔ امام ابواسحاق شاطبی رحمہ اللہ نے مال کی تعریف میں اپنی رائے کا اظہار فرمایاہے:''المال ما یقع علیه الملك و یستبد به المالك''(35) جس پر ملکیت واقع ہو اور جس کے مالک کو اختیار و استبداد کی نسبت حاصل ہو جائے، مال کہلاتا ہے۔

حنفیہ کی رائے:

'' کل ما یمکن حیازته والانتفاع به علیٰ وجه معتاد''(36) "مال ہر وہ شئی ہے کہ جس کا جمع کرنا اور اس سے معتاد طریقہ پر انتفاع ممکن ہو"۔ البتہ علاؤالدین الحصکفیؒ صاحب در مختار نے ملتقی الابحر کی شرح میں مال کی جو تعریف کی ہے اس میں انہوں نے مال کو اعیان میں منحصر کر دیاہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:''والمراد بالمال عین یجری فیه التنافس والابتدال''- مال سے مراد وہ عین ہے جس میں تنافس وابتذال جاری ہو تا ہے۔

اس وضاحت کے ساتھ مال کی تعریف دوسرے فقہاء سے منقول نہیں ہے:''لا یقع إسم مال إلا علیٰ ماله قیمة یباع بها ویلزم متلفه،وإن قلت،وما لا یطرحه الناس مثل الفلس وما اشبه ذالك''-(37) مال کا اطلاق اس شئی پر ہو تا ہے جس کی قیمت ہو،اس کے عوض وہ فروخت کی جائے اور اس کے ضائع کرنے والے پر اس کی قیمت کی ادائیگی لازم ہو،اگرچہ وہ کم ہو البتہ وہ چیز جسے لوگ بے اعتنائی سے پھینک دیتے ہیں مثلاً پیسہ اور اس طرح کی چیز تو وہ مال قرار نہیں پائے گی۔

بعض قانونِ ماہرین کی رائے:

مال وہ ہے جو مملوک ہو یعنی کوئی شئے اس وقت مال بنے گی جب وہ کسی کی ملک میں داخل ہو جائے۔ بالفاظِ دیگر جن اشیاء کو کسی انسان نے عملاً اپنی ملکیت میں لے لیاہو وہ مال ہے۔

فقہاء احناف نے مال کی تعریف کے مطابق حقیقتِ مال میں دو بنیادی عناصر شامل ہیں۔

۱۔اس چیز کی طرف میلانِ طبع کا پایا جانا اور اس کا قابلِ انتفاع ہونا۔

(۲)اس کا قابلِ ادخار ہونا یعنی اس چیز کا اس حال میں ہونا کہ انسان وقتِ ضرورت کے لئے اسے ذخیرہ کر سکے،اور منتفع ہو سکے۔

اس لئے صاحبِ کشاف اصطلاحات الفنون میں لکھتے ہیں :''المال عند الفقهاء موجود یمیل إلیه الطبع ویجریٰ فیه البذل والمنعج '-(38)مال کو مال اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ ایک شخص کے پاس کے پاس سے دوسرے شخص کی طرف مائل اور منتقل ہو تا رہتا ہے اور ایک کی ملکیت سے دوسرے کی ملکیت میں جاتا رہتاہے ''-(39)

تیسرا ماخذ عرف

تیسرا ماخذ عرف ہے، جہاں نص میں صراحت موجود نہ ہو اور لغت کے ذریعہ کسی لفظ کا بے غبار مفہوم متعین نہ ہو پاتا ہو، وہاں بس یہی ایک ذریعہ کام آتاہے،اس لئے فقہاء کے ہاں قاعدہ مسلمہ ہے:''کل ما ورد به الشرع مطلقاً ولا جابطه له فیه ولا فی اللغة یرجع فیه إلی العرف ''(40)"شریعت میں جو چیز مطلقاًوارد ہو اور نہ شریعت میں اس کے لئے کوئی ضابطہ ہو اور نہ لغت میں تو ایسی صورت میں عرف کی طرف لوٹایا جائے گا"۔ شریعت نے مال کی حقیقت خود متعین نہیں کی ہے نہ تو قرآن کریم میں کسی جگہ مال کی تحدید آئی ہے

اور نہ کسی حدیث میں، بلکہ نزولِ قرآن کے وقت اہلِ عرب کے نزدیک مال کا جو تصور تھا اسی کو برقرار رکھا۔ اہلِ عرب کے نزدیک مال کا تصور کیا تھا علامہ یوسف قرضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مال اہلِ عرب کے نزدیک (جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا) ہر اس چیز شامل ہے کہ جس کے جمع کرنے والے اور مالک بننے کی طرف انسانی رغبت ہو۔ (41)

جب مال کی حقیقت ہر دور سے عرف سے ٹھہرا تو اب ہر وہ شئ جو لوگوں کے ذریعہ تمول و ملکیت ہو تو مال متصور ہو گی اور شرعاً اس کی بیع درست ہو گی۔ مثلاً مٹی، ریت، حق تصنیف و تالیف اور حق علو کی خرید و فروخت ۔ مذکورہ چیزیں کسی زمانے میں نہ تو ذریعہ تمول تھیں اور نہ ان کی ضرورت و حاجت لوگوں کو پیش آتی تھی اور ان کی کوئی اہمیت تھی، اب عرف و عادت میں مال تصور کیا جاتا ہے، اور اس کے ساتھ لوگ مال جیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ احکامات شرعیہ میں عرف و عادت و حاجت و ضرورت کو بہت بڑا دخل ہے۔

متون وغیرہ کے بابِ حقوق میں ذکر کیا گیا ہے کہ بیت کو بکل حق ہولہ کے ساتھ خریدنے میں علو داخل نہیں ہو گا اور منزل خریدنے میں بکل حق ہولہ او بمر افقہ کے ساتھ علو داخل ہو گا، اور دار میں مطلقاً داخل ہو گا کافی سے نقل کرتے ہوئے بحر میں کہا ہے کہ یہ تفصیل کوفہ کے عرف میں مبنی ہے اور ہمارے عرف میں علو سب میں داخل ہو گا اور احکام عرف پر مبنی ہوتے ہیں پس ہر اقلیم اور ہر زمانے میں اس کے اہل کے عرف کا اعتبار ہو گا۔

خلاصہ بحث:

شریعت نے مال کی حقیقت خود متعین نہیں کی ہے نہ تو قرآن کریم میں کسی جگہ مال کی تحدید آئی ہے اور نہ کسی حدیث میں، بلکہ نزولِ قرآن کے وقت اہلِ عرب کے نزدیک مال کا جو تصور تھا اسی کو برقرار رکھا۔

اور مال کے مفہوم کو متعین کرنے میں بنیادی کردار عرف ادا کرتا ہے، مختلف ادوار میں فقہاء کے یہاں مال کی تعریف اور بعض اشیاء کے مال ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف رہا ہے اور ایک "مال" ہی پر موقوف نہیں، معاملات کی اکثر اصطلاحات وہ ہیں کہ عرف ہی ان کی تعریف و تحدید کرتا ہے.

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

حوالہ جات

1۔زین العابدین ابن نجیم الحنفی، البحر الرائق شرح کنز الد قائق(دار الکتب العلمیہ،1997)ج،۵ / ۲۷۷۔

Zain al Abiding ibn Najim al hanafi, al Bahrul al raieq sharh Kanzu al daqaeq,(Dar al kutub ilmiya Beirut), 1997, 1418 5 :277.

2 محمد ابن مکرم ابنِ منظور، لسان العرب، داراحیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولی ۱۹۸۸، ص، ۴۳۰

3۔ مجاہد الاسلام قاسمی، حقوق کی خرید وفروخت مرابحہ اسلامی بینکنگ، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ۱۴۲۴ھ ص ۳۴۵

4 یوسف القرضاوی، فقہ الزکاۃ، شہزاد پبلشر لاہور، ۲۰۰۸ء ج ا ص ۱۴۴

5۔ محمد امین الشھیر بابنِ عابدین، رد المختار، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۶ ج ۴ ص ۳۳

6۔ ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۲ ص ۶۳۵

7۔ حاشیۃ الطحاوی ۳ / ۳

8۔ یوسف القرضاوی، فقہ الزکوۃ، البدر پبلکشنرز لاہور، ۲۰۰۵ء ج ا، س ۱۲۵

9۔ سورۃ الکھف آیت ۴۶

10۔ سورۃ النساء آیت ۵

11۔ سورۃ الفجر آیت ۲۰

12۔ سورہ آل عمران آیت ۹۲

13۔ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی، سنن الترمذی، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۹۸۷ء ص، ۲۸۳

14۔ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، دار نشر للکتب الاسلامیہ، ۱۴۸۸ھ ج ا، ص ۲۹۳

15۔ حاشیۃ الطحاوی ج ۳ / ۳

16۔ محمد خالد الاتاسی، شرح المجلہ، مکتبہ حقانیہ پشاور، ۱۹۸۶ء ص ۱۳۶

17۔ الدکتور یوسف موسیٰ، الاموال و نظریۃ العقد فی الفقہ الاسلامی، دار الفکر العربی، ۱۹۹۶ء ۱۶۴

18۔ محمد بن احمد بن ابی سھل السرخسی، المبسوط للسرخسی، دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۹۳ء ج ا، ص، ۱۰۲

19۔ مرشد الحیران الی معرفۃ احوال الانسان، محمد قدری باشا، بالطبعۃ الکبریٰ الامیریہ بولاق مصر، ۱۸۹۱ھ دفعہ ۳۰۵، المجلۃ مادہ نمبر ۱۴۵۔۱۴۶

20۔ ایضا

21۔ المجلہ دفعہ نمبر ۱۴۵

22۔ المجلہ دفعہ نمبر ۱۴۶

23۔ الدکتور وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۸۴م، ص ۸۳

24۔ الدکتور یوسف موسیٰ، الاموال و نظریۃ العقد فی الفقہ الاسلامی، دار الفکر العربی، ۱۹۹۶ء ۱۶۴، ص ۶۲

25۔ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف ابن الھمام، فتح القدیر شرح الھدایۃ، المکتبۃ الرشیدیہ (س ن) ج ۵

26۔ ڈاکٹر ساجد الرحمن صدیقی، اسلامی قانون اور تصور ملکیت ص، ۲۲

27۔ تحفۃ المحتاج ج ۴ ص ۲۱۵

28۔ شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ ابن شھاب الدین الرملی الشافعی، نہایۃ المحتاج للرملی، ۱۰۰۴ھ دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان، ج ۴ ص ۳۷۲

29۔ امام دبوسی، تاسیس النظر، دار ابن زیدون بیروت، ص ۶۲

30۔ علامہ زین العابدین، الاشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۹ء، ص ۵۳۳
31۔ منصور بن یونس بن ادریس البھوتی، کشاف القناع عن متن الاقناع، مطبعۃ الحکومۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۴ھ ج ۴، ص ۲۸۵
32۔ ابن قدامہ المقدسی، المغنیٰ۔ دار عالم الکتب الریاض، الطبعۃ الثالثۃ ۱۹۹۷ ا المغنیٰ ج ۵، ص، ۴۳۶
33۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، امام ابو اسحاق، ابراہیم بن عبد الرحمن الجزیری، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۱۹۳۹ء ج ۴، ص ۱۰۶
34۔ الشرح الصغیر علیٰ اقرب المسالک الی مذھب امام مالک، دار المعارف، (س ن) ج ۴، ص ۸
35۔ الموافقات فی اصول الشرعیہ، امام ابو اسحاق، ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی، ۲ ص ۱۷
36۔ یوسف القرضاوی، فقہ الزکاۃ، شہزاد پبلشر لاہور، ۲۰۰۸ء ج ا ص ۱۲۵
37۔ علامہ زین العابدین، الاشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۹ء، ص ۲۸۲
38۔ صاحب کشاف، اصطلاحات الفنون۔ ج ا، ص ۳۱۵
39۔ المفردات فی غرائب القرآن ص، ۴۷۸
40۔ مختار الصحاح، ص ۶۳۹
41۔ فقہ الزکاۃ ج ا ص ۲۴